# منتخب اردو ناولوں میں استعماریت کی پیش کش

محمد خرم

اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ کالج سرگودھا

**Abstract:**

After the establishment of Pakistan, Urdu novel has encompassed different political issues. One of them is the most significant that describes brutal act of the British. Many instances regarding exploitative cruelty during British raj, exercised upon the land of India came to light. With the advent of the 20th century a new chapter of British barbarity started. Afterwards the Muslim enmity of the Hindus began to enrich.

کلیدی الفاظ۔ عبد اللہ حسین، آنگن، عالیہ، نسیم حجازی، خدیجہ مستور، لارڈ ماؤنٹ بیٹن

۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے برصغیر میں اپنا نو آبادیاتی نظام مسلط کیا۔ اس نظام کے تحت جہاں بہت سی اصلاحات عمل میں لائی گئیں وہیں مسلمانوں کو زیرِ عتاب رکھنے کی پالیسی بھی وضع کی گئی، گویا پردہء اصلاح میں کوششِ تخریب کا بھرپور سامان مہیا کیا گیا۔ یہ سلسلہ ہائے فریب بیسویں صدی کے ربع اول تک شدت کے ساتھ اور نصف تک معتدل انداز میں بہر طور جاری رہا۔ انگریزوں کے دور میں ظلم و ستم کی نئی نئی راہیں ایجاد کی گئیں۔ اس ظلم و ستم کا زیادہ نشانہ مسلمان ہی بنے۔ انگریزوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھینا، جس کے باعث وہ مسلمانوں کو ہی زیادہ بڑا مخالف سمجھتے تھے اور انھیں مقابل آنے سے روکنے کے لیے پیش بندی کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ اس لیے عام عوام کے لیے انگریزوں نے ظالمانہ قوانین مرتب کرنے شروع کر دیئے تھے۔ ان قوانین اور پالیسیوں پر کسی بھی قسم کے احتجاج کو سختی سے کچل دیا جاتا۔ شروع میں پوری ہندوستانی عوام کے لیے انگریزوں کا عتاب تھا، مگر ہندوؤں کی مصالحانہ روش کے سبب یہ عتاب یک طرفہ اور یک رُخا ہو گیا۔ اِسی اثناء میں ہندوؤں کی مسلم دشمنی بھی زور پکڑنے لگی۔

پاکستانی اُردو ناول نے دیگر سیاسی اقدامات کی طرح انگریزوں اور ہندوؤں کے معاندانہ انداز کو بھی بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔ قیامِ پاکستان کے فوری بعد شائع ہونے والے ناولوں میں تحریکِ پاکستان، تقسیمِ ہند اور اُس دور کی سیاسی فضا کا احوال کسی نہ کسی طرح ضرور بیان ہوا ہے۔ ہندوستان

کی سرزمین پر برطانوی راج کے دوران استعماری جبر واستبداد کی متعدد مثالیں منظرِ عام پر آئیں۔ بیسویں صدی کے آغاز سے ہی انگریز زیادتیوں کے نئے باب کا آغاز ہوا۔ دوسری جنگِ عظیم کی کامیابی کے بعد برطانوی اُمراء کا کروفر اور بھی بڑھ گیا اور ہندوستانی عوام مزید حقیر محسوس ہونے لگی۔

ان تلخ حقائق کی طرف پاکستانی اُردو ناول نے کہیں سرسری اور کہیں واشگاف الفاظ میں اظہار کیا ہے۔ اس ضمن میں جن ناولوں کا نام نمایاں طور پر لیا جا سکتا ہے ان میں ''آنگن، اداس نسلیں اور خاک اور خون'' اہمیت کے حامل ہیں۔ خدیجہ مستور کے ناول "آنگن" میں انگریز دشمنی کا تاثر انگریزوں کے مظالم سے وجود پاتا ہے۔ مگر آنگن میں اُس دور کی مجموعی سیاسی صورتِ حال معاشرت کے سامنے دبتی محسوس ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "آنگن" میں بنیادی حوالہ سیاست کی بجائے معاشرت بنتا ہے۔ اس ناول میں سیاسی واقعات اور فضا پس پردہ کار فرما نظر آتی ہے۔ ناول میں براہِ راست سیاست کو موضوع بنانے کی بجائے اُس دور کی معاشرت پر اِس کے اثرات کو واضح کیا گیا ہے۔ تاہم پسِ پردہ ہونے کی بنا پر بھی ناول کا سیاسی حوالہ بہر طور مسلمہ ہے۔

"آنگن" میں انگریزوں کے ظلم و ستم کا اظہار کرداری حوالوں کی صورت میں کیا گیا ہے۔ جس کی بڑی واضح مثال عالیہ کے والد ہیں۔ جو انگریزوں کے باغی ہونے کی بنا پر معتوب ٹھہرتے ہیں اور جیل بھیج دیئے جاتے ہیں۔ جو اُن کے لیے آخری قیام گاہ ثابت ہوتی ہے۔ جیل جانے کی بنیادی وجہ آزادی کا نام لینا تھا۔ جو کھلم کھلا بغاوت تھی۔ عالیہ نے ایک بار ابا کی باتیں سننے کی کوشش کی تو اُسے بھی اِس کوشش میں آزادی، گاندھی اور آزاد وغیرہ کے ناموں کے سوا کچھ پلے نہ پڑا تھا۔[۱]

اور یہ تینوں نام انگریز سامراج کے آگے بغاوت کے مترادف تھے۔ عالیہ کے ابا اُن مسلمان افراد کی نمائندگی کرتے ہیں جو انگریزوں کے شدید مخالف تھے۔ مخالفت کی بنیادی وجہ انگریزوں کا مسلمانوں سے اقتدار چھیننا اور پھر مسلمانوں پر دائرہء زندگی تنگ کرنا تھا، جس کے ردِ عمل میں عالیہ کے ابا بیٹھک میں بیٹھ کر نہرو، گاندھی، جناح کے ناموں کے علاوہ بس انگریزوں کی بُرائی میں ہی مصروف رہتے۔[۲] اور یہ محض عالیہ کا خیال ہی نہ تھا ۔عالیہ کے ابا انگریزوں کی مخالفت کُھل کر کرنے لگے تھے۔ وہ اِس جراتِ رندانہ پر پابندِ سلاسل ہونے سے بھی نہ گھبراتے تھے۔ عالیہ کی اماں کے ساتھ خاندانی معاملات پر بحث کرتے ہوئے وہ اپنی بیوی کی انگریز بھاوج کو بھی خوب آڑے ہاتھوں لیتے کیوں کہ ابا کی نظر میں اُس کا انگریز ہونا اور عالیہ کے ماموں کا انگریز عورت سے شادی کر لینا دونوں کام ہی قابلِ نفرت تھے۔ جس کا اظہار ایک دن وہ یوں کرتے ہیں :

> "تمھارے بھائی کی بیوی، پتا نہیں کس بھنگی کی اولاد ہو گی۔ تمھارے بھائی نے اس سے شادی کر کے تمھاری قوم کے منہ پر تھپڑ مارا ہے، خدا کی شان ہے انگریز بھنگی بھی ہمارے حکمران ہیں۔"[۳]

"آنگن" میں مصنفہ نے دیگر سیاسی پہلوؤں کی طرح انگریز مظالم اور اُس کی وجہ سے اُبھرنے والا عوامی نفرت کا جذبہ ہلکے پھلکے فقروں کی صورت میں دکھایا ہے۔ اِس کی باقاعدہ وضاحت نہیں کی ہے۔ وہ کسی جذبے یا واقعے کی طرف معمولی سا اشارہ کر کے قاری کو اُس کی گہرائی میں خود

اُترنے کا موقع فراہم کرتی ہیں اور یہی وہ خوبی ہے جو ناول کو تاریخی یکسانیت اور بوریت کا شکار ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ اِسی وجہ سے ڈاکٹر شمع افروز زیدی رقم طراز ہیں :

"ناول کا پسِ منظر اگرچہ سیاسی اور تاریخی ہے لیکن اس میں سیاسی جماعتوں اور تحریکوں پر بحث اور سن و تاریخ نظر نہیں آتے۔ اس طرح ناول سیاسی یا تاریخ کی کتاب ہونے سے بچ گیا۔ مصنفہ کی فن کاری کا کمال یہ ہے کہ اپنے آپ کو سیاسی مبلغ نہیں بننے دیا۔"[۴]

اِسی لیے انگریزوں کی نفرت کے اظہار کے لیے لمبی چوڑی تقریر کرنے کی بجائے عالیہ کے ابا سے کہلوائے گئے یہ الفاظ ہی کافی معلوم ہوتے ہیں :

"میں تو تم لوگوں کی وجہ سے خود ہی کچھ نہیں کرتا اور مجھے تو کچھ کرنا بھی نہیں آتا، بس یہ نفرت ہے جو چھپائے نہیں چھپتی۔"[۵]

یہی نفرت آخر جوالہ مکھی بن کر پھوٹ پڑتی ہے اور مسلمان اپنے حق اور آزادی کے لیے انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ کانگرس اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سجتے ہیں۔ یہ تو اجتماعی ردِ عمل تھا مگر انفرادی سطح پر بھی جذبات اُمنڈتے ہیں۔ چناں چہ ایک دن انگریز افسر کے معائنے کے موقع پر عالیہ کے ابا کا افسر سے کسی بات پر جھگڑا ہو جاتا ہے اور وہ رول سے اُس کا سر پھاڑ دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں پولیس دھر لیتی ہے۔ گرفتاری کی اطلاع چپڑاسی کے ذریعے گھر پہنچتی ہے۔ چپڑاسی ایک معمولی اہلکار ہے اور زیریں طبقے کا نمائندہ ہے۔ اس واقعے پر اُس کے جذبات ہندوستانی عوام کے زیریں طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں جو عالیہ کے ابا سے مختلف نہیں تھے۔ اپنے بابو جی کی ظالمانہ گرفتاری پر اُس کی آنکھیں مسلسل برس رہی ہیں اور دل شدتِ غم اور نفرت سے مسلا جا رہا ہے۔

" چپڑاسی نے صافے کا پلو آنکھوں پر رکھ لیا.... ڈیم پھول کہتا تھا اپنے بابو جی کو، حرام زادہ.... چپڑاسی نے سرخ سرخ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا.... مجھے مل جائیں تو ایک ہزار ایک انگریز صدقے کر کے پھینکوں اپنے بابو جی پر سے، خون چڑھ گیا ہے میری آنکھوں میں، خون!"[۶]

انگریزوں کے مظالم اور اس کے نتیجے میں اُن کے خلاف پیدا ہونے والی نفرت صرف "آنگن" میں ہی بیان نہیں ہوئی بل کہ اُس دور کے تناظر میں لکھے جانے والے دیگر ناولوں میں بھی اِس کا بیان ہوا ہے۔ استعماری شکنجے کی گرفت میں آنے کا بیان بالخصوص "اُداس نسلیں" اس بڑی جرات کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں بڑا اہم واقعہ سانحہء جلیانوالہ باغ ہے۔ انگریزوں کے جبر و استبداد کا پردہ چاک کرنے والی ہر تحریر نے اِس پر علامتی وضاحتی، کسی بھی طرح ضرور اظہار کیا ہے۔ "آنگن" میں سیاسی واقعات کو بڑے دھیمے انداز میں بیان کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس ناول میں اُس دور کی

سیاسی فضا کو پسِ منظر میں رکھنے کے باوجود دو اہم واقعات جلیانوالہ باغ اور جنگِ عظیم اول کو نہایت سرسری انداز میں ضمناً بیان کیا ہے۔ جلیانوالہ باغ کے سانحے کے متعلق صرف اتنا بیان ہے کہ کسم دیدی کے شوہر گھر والوں کے روکنے کے باوجود جلیانوالہ باغ کے جلسے میں شریک ہونے چلے گئے اور پھر کبھی واپس نہ آئے۔ ۷ مگر اِس سانحے کو عبداللہ حسین نے "اُداس نسلیں" میں بڑے بھرپور انداز میں پیش کیا ہے۔ اس سانحے کے بیان میں تاریخ اور فکشن کا عمدہ ترین ملاپ دیکھنے کو ملتا ہے۔ فکشن کے اسلوب میں یہ سانحہ کسی اور ناول میں اس خوبی سے ادا نہیں ہوا۔

اِس واقعے کے بیان کو مؤثر بنانے کے لیے ناول کے دو مرکزی کردار نعیم اور عذرا کی ملاقات ایک ماہی گیر سے کروائی جاتی ہے۔ یہ ماہی گیر اس سانحے کا عینی شاہد ہے۔ ناول نگار نے پورا واقعہ ایک ماہی گیر کی زبانی اتنے عمدہ انداز مین بیان کیا ہے کہ گمان گزرتا ہے شاید ناول نگار واقعی کسی ایسے فرد سے نشستیں رکھتے رہے ہوں جو اس سانحے کے متاثرین میں شامل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ صرف یہ سانحہ ہی نہیں بل کہ اس سانحے کے وقوع پذیر ہونے سے قبل کی سیاسی صورتِ حال کو بھی بڑی چابکدستی سے واضح کیا گیا ہے۔ ۸

سانحہ سے کچھ اور قبل بھرے بازار میں ایک انگریز خاتون کی بے حرمتی ہوئی۔ یہ افسوس ناک واقعہ ہی اس انتشار اور سانحے کا سبب بنا۔ اُس خاتون کی چیخوں نے ایوانِ فرنگ میں لرزہ طاری کر دیا۔ ایسا لرزہ جس نے صرف گورے اور کالے کی تقسیم کو معیار بنایا چناں چہ ہر ہندوستانی چاہے وہ مسلمان تھا، ہندو تھا یا سکھ تھا، اس حادثے کا شکار ہوا۔ ظلم و بربریت نے ہر طرح کے مذہبی، اخلاقی اور قانونی معیارات کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ جلیانوالہ باغ کے جلسے میں شریک ہونے کے لیے لوگ چلاتے ہوئے دروازے سے داخل ہو رہے تھے۔ "مسلمان اپنے خدا اور مذہبی رہنماؤں کا نام لے کر اور ہندو اور سکھ اپنے خداؤں کو پکار پکار کر نعرے لگا رہے تھے۔" ۹

اِدھر انگریز فوج کے سپاہی بھی منظم ہونے لگ گئے تھے۔ انگریز سرکار کا ہر کارندہ انتقام کا جذبہ بھی لیے ہوئے تھا۔ جس کو خشمگیں مجمع کی ہاؤ ہو اور احتجاج نے مزید ہوا دی۔ نتیجتاً گولی کا حکم صادر ہوا جس کے بعد بقول اُس ماہی گیر کے :

> "وہ منظر شروع ہوا جو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ سارے باغ میں افراتفری پھیل گئی.... ایک وہ شخص تھا جو میرے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے دوڑ رہا تھا، گولی لگنے پر ہوا میں اُچھلا اور وہیں ٹنگ گیا، کیوں کہ نیچے آنے سے پہلے چند اور گولیاں اس کے جسم میں داخل ہوئیں اور اس نے ہوا میں قلابازی کھائی، پھر اور گولیاں اور ایک اور قلابازی اور اس طرح جب سرکس کے مسخرے کی طرح کرتب دکھانے کے بعد وہ زمین پر آیا تو کب کا مر چکا تھا۔" ۱۰

سیاسی جبر اور حاکمانہ تسلط کا یہ کھیل محض ایک دن نہیں کھیلا گیا، بل کہ استعماری طاقت کے غرور کے طفیل کئی دن بعد بھی سرِ عام اور سرِ بازار رقصِ بسمل پیش ہوتا رہا کیونکہ باغ سے نکل کر وہ راستہ جو بازار میں سے گزرتا تھا، شست باندھے گوروں کی نگرانی میں تھا جو ہر گزرنے والے کو وہاں سے

رینگ کر گزرنے پر مجبور کرتے۔اِس عمل میں کہنیوں یا گھٹنوں سے کام لینے کی اجازت نہ تھی۔صرف پیٹ کے بل سانپ کی طرح رینگ کر وہ پچیس گز کا ٹکڑا عبور کرنا تھا۔اگر کوئی سر اُوپر اُٹھاتا تو اُوپر سے گزرتے ہوئی گولیاں اُس کی کھوپڑی چاٹ جاتیں کیوں کہ وہاں شست باندھے گورے سپاہیوں نے :

"بازار کے ایک طرف جمع ہو کر رینگتے جسموں سے چھ انچ اوپر گولی چلانا شروع کر دی اور جان بچانے کے لیے بھگوڑوں نے مٹی میں سر گاڑ دیئے اور پاؤں کی انگلیوں اور ناخنوں کی مدد سے رینگنے لگے۔"[۱۱]

یہ سانحہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔اِسے مؤرخ نے اپنے تاریخی تناظر میں تاریخ کا حصہ بنایا ہے مگر یہ واقعہ اور اس جیسے دیگر کئی سیاسی واقعات فکشن کا حصہ بن کر تاریخ کے سپاٹ انداز کے برعکس فنکارانہ اسلوب سے مزین ہو کر ناول کے کینوس میں بھی محفوظ ہو گئے ہیں۔

انگریزوں کے ظلم و ستم نے مقامی سہولت کاروں کو بھی اِسی روش پر چلا دیا تھا۔۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں نے دلی کے مسلمانوں پر عرصہءحیات تنگ کیا تو جو بے چارہ گورے کی آنکھ بچا کر شہر میں داخل ہو بھی جاتا تو لاہوری دروازے کا تھانیدار اُس کے استقبال کو موجود ہوتا جو اُسے پکڑ کر حوالات لے جاتا۔اِسی طرح بیسویں صدی کے اوائل میں جو انگریزوں کے ظلم و ستم سے بچ جاتا تو اُس کی خبر گیری کے لیے روشن آغا جیسے انگریز کے منظور نظر موجود ہوتے۔جن کے کارندے دیہات میں استعماری بُرج کو قائم رکھنے کے لیے مہاجنی نظام اور "موٹرانہ" جیسے ٹیکس نافذ کرتے رہتے۔اس عمل میں انھیں مکمل سرکاری سرپرستی حاصل تھی اور سرپرستی حاصل بھی کیوں نہ ہوتی۔بقول پروفیسر صبا جاوید یہ جبر و استحصال کا انداز انگریزوں کے لائے منفی انقلاب کا نتیجہ ہی تو تھا۔[۱۲]

انگریزوں کے جبر و استبداد کا سلسلہ مزید طول پکڑ کر ہندوؤں کی مخالفانہ روشوں سے مل جاتا ہے۔نسیم حجازی کے ناول "خاک اور خون" میں قیامِ پاکستان کی تحریک کے تناظر میں انگریزوں کے ظلم و ستم کو ہندوؤں کی آشیر باد سے پروان چڑھتے دکھایا گیا ہے۔"خاک اور خون" ناول سے زیادہ تاریخ کی کتاب محسوس ہوتی ہے جس میں تحریک پاکستان سے قیام پاکستان کا سفر خاک اور خون میں غلطاں دکھایا گیا ہے۔یہاں پر انگریزوں کا ظلم انفرادی کی بجائے اجتماعی المیہ بن کر اُبھرا ہے۔ تقسیم ہندوستان کے موقع پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور ریڈکلف کے کردار پاک بھارت تنازعے کو جنم دیتے ہیں۔جس کے مہلک اثرات آج تک محسوس کیے جا رہے ہیں۔لارڈ ماؤنٹ بیٹن ثالث کی حیثیت سے تقسیم ہند کو روک بھی نہیں سکتا تھا اور مسلمانوں کو مضبوط ملک دینے کے حق میں بھی نہ تھا چنانچہ مسلمانوں کو ایسا لنگڑا، لولا پاکستان دینے کا منصوبہ ترتیب دیا گیا، جس کے تحت یہ نئی مملکتِ خداداد اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ رہے گویا

طریقے سب ظلم کے بدل ڈالے صیاد نے

جو طائر اُڑ نہیں سکتا اُسے آزاد کرتا ہے

چنانچہ پاکستان کے اس طائر کو آزاد کرنے سے پہلے اِس کے پر کاٹ لینا ضروری سمجھا گیا کیوں کہ:

"ہندو سارا ہندوستان مانگتا تھا لیکن انگریز اپنی سنگین سے دس کروڑ مسلمانوں کو مغلوب کر کے ہندو کے آگے ڈالنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس صورت میں اُسے ثالث کی بجائے ہندو کے ساتھ شامل ہو کر ایک فریق کی حیثیت اختیار کرنا پڑتی تھی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مسلمانوں کے سامنے پاکستان کی وہ صورت پیش کر دی جو اُن کے وہم و گمان میں نہ تھی اور اس کے ساتھ ہی ہندو کو خوش کرنے کے لیے اسے تمام ان لوازمات سے مسلح کر دیا جنھیں وہ پاکستان کو نیست و نابود کرنے کے لے کافی سمجھتا تھا۔"[۱۳]

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی طرح ریڈ کلف بھی مسلمان دشمنی میں کچھ پیچھے نہ رہا بل کہ گورداسپور کا مسلم اکثریتی علاقہ ہندوستان میں جبراً شامل کر کے ہمیشہ کے لیے کشمیر کا مسئلہ زندہ کر گیا۔ ستلج اور بیاس کا درمیانی مسلم اکثریتی علاقہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن پہلے ہی تین جون کے اعلان میں ہندوستان کی جھولی میں ڈال چکا تھا:

"اب ہندوستان کے راستے میں آخری پتھر صرف ضلع گورداسپور تھا جسے وہ شاید انتہائی مجبوری کی حالت میں پاکستان کا حصہ قرار دے چکا تھا۔ اس پتھر کو ہندوستان کی راہ سے ہٹانے کا کام ریڈ کلف سے لیا گیا۔"[۱۴]

"خاک اور خون" میں صرف انگریزوں کی جانبدارانہ روش کا گلہ نہیں کیا گیا بل کہ ہندو فسطائیت اور نفرت کا بھی واشگاف الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے۔ ہندو انگریزوں سے مفاہمت اختیار کر چکے تھے۔ اس مفاہمت کے تباہ کن اثرات اپنی پوری ہلاکت خیزیوں کے ساتھ تقسیم کے وقت نمودار ہوئے لیکن اس سے قبل اس سیاسی ربط کے شواہد ملنا شروع ہو گئے تھے۔ مسلمانوں اور مسلم لیگ کی طرف سے کانگرس کے ساتھ مصالحانہ کوششوں کا دور شروع کرنے کی بارہا سعی ہوئی مگر دوسری طرف سے جواب انکار میں تھا۔ حتیٰ کہ مسلم لیگ کے وجود کو ہی نظر انداز کر دیا گیا۔ جس کا اظہار جواہر لال نہرو کے اِن الفاظ سے ہوتا ہے:

"ہندوستان میں صرف دو جماعتیں ہیں۔ ایک انگریز دوسری کانگرس۔"[۱۵]

نسیم حجازی نے اس ناول میں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ قیامِ پاکستان جو کہ بیسویں صدی کا ایک عظیم ترین کارنامہ اور برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی کامیابی کی ایک مثال ہے۔ دراصل جارحانہ نہیں بل کہ مدافعانہ عمل تھا۔ اس مطالبے کے ذریعے مسلمان ہندوستان میں قائم ہوتے انگریز، کانگرس کے نئے اتحاد کو ایک چیلنج کر رہے تھے جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ:

"مسلمان ہندو فسطائیت کے اُٹھتے ہوئے سیلاب کے سامنے ایک دفاعی خط کھینچنا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے ہندوؤں کو ان کی اکثریت کے صوبوں میں آزادی اور خود مختاری کا حق دے کر اپنی اکثریت کے صوبوں میں آزادی اور خود مختاری کا حق مانگا تھا۔ اُنھوں نے ہندوستان کے تین چوتھائی حصے پر ہندو اکثریت کا حق تسلیم کر لیا اور اپنے لیے جو علاقہ مانگا تھا وہ ان کی مجموعی آبادی کے تناسب سے بھی کم تھا لیکن ہندو ایک مرکز کے ماتحت درہء خیبر سے لے کر خلیج بنگال تک اپنی اکثریت کے دائمی تسلط کے خواب دیکھ چکا تھا"[۱۶]

اِسی خواب نے ہندوؤں کو کانگرس کے پلیٹ فارم پر متحد ہو کر اور انگریزوں کی دوستی کا ہاتھ تھام کر اپنے منصوبے پر کاربند ہونے کی راہ دکھائی۔ بایں ہمہ مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد ہو کر مطالبہ پاکستان انگریزوں کے سامنے رکھ دیا۔ یوں مسلمانوں کو انگریزوں اور کانگرس دونوں کی مخالفت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس تمام سیاسی عمل میں سیاسی جماعتوں اور جدوجہد کا اہم کردار سامنے آتا ہے۔ اسی سبب پاکستانی اردو ناولوں میں قیام پاکستان سے قبل کی سیاسی فضا اور جدوجہد کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ان موضوعات پر بڑے اہم ناول نگاروں نے خامہ فرسائی کر کے اپنے ناولوں کو دوام بخشا۔ "آنگن"، "اُداس نسلیں"، "خاک اور خون" میں تقسیم ہند سے قبل کی سیاسی فضا، انگریزوں کی پالیسیاں، تعصبانہ رویے، جبر و تشدد اور سیاسی جماعتوں کی باہمی آویزش کو بطورِ خاص موضوع بنایا گیا ہے۔ اگرچہ یہ ایک تاریخ کا موضوع ہے مگر اُردو ناول نے اس موضوع کو فکشن کے روپ میں پیش کر کے اپنی تاریخی اور سیاسی اہمیت کو تسلیم کروایا ہے۔

## حواشی

۱ خدیجہ مستور، آنگن (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۵

۲ ایضاً، ص ۳۶

۳ ایضاً، ص ۴۲

۴ ڈاکٹر شمع افروز زیدی، اُردو ناول میں طنز و مزاح (لاہور: پروگریسو بکس، ۱۹۸۸ء)، ص ۳۱۰

۵ خدیجہ مستور، آنگن، ص ۴۵

۶ ایضاً، ص ۶۹

۷ ایضاً، ص ۲۶

٨ محمد خرم، "اُداس نسلیں کا سیاسی منظر نامہ"، مشمولہ انگارے ملتان (جولائی۔اکتوبر ۲۰۱۵ء)، ص ۳۷۰

٩ عبداللہ حسین، اُداس نسلیں، مشمولہ مجموعہ عبداللہ حسین (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص ۲۲۸

١٠ ایضاً، ص ۲۲۹

١١ ایضاً، ص ۲۳۰

١٢ پروفیسر صبا جاوید، اُردو ناول اور پاکستان (راولپنڈی: الفتح پبلی کیشنز، س ن)، ص ۱۵۰

١٣ نسیم حجازی، خاک اور خون (لاہور: جہانگیر بکس، س۔ن)، ص ۳۴۴

١٤ ایضاً، ص ۳۴۶

١٥ ایضاً، ص ۲۰۰

١٦ ایضاً، ص ۲۰۱